

اعضا کی پیوند کاری اسلام کی نظر میں

مانعین پیوند کاری کے دلائل کا جائزہ

گزشتہ صفحات میں انسانی اعضاء کے پیوند کاری کے متعلق اول الذکر (عدم جواز) کی رائے اور اسکے متعلق دلائل کا ذکر کیا گیا لیکن اگر ان دلائل کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا وہ دلائل یا تو وقتی تھے یا ان کا محمل اور ہے چنانچہ (۱) پہلی دلیل کا جائزہ: ان دلائل میں بنیادی دلیل یہ بیان کی گئی کہ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں اس لیے وہ اس میں کوئی تصرف اور قطع برید کی اجازت نہیں دے سکتا۔

جائزہ: یہ درست ہے کہ انسان اپنے جسم کا مالک حقیقی نہیں اس کے جسم بلکہ سارے کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے مگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو بعض چیزوں میں تصرفات کا کچھ اختیار دیا ہے۔ جس طرح مال و جائیداد اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے مگر جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے مال و جائیداد دی ہے تو اس کو اس مال و جائیداد میں مکمل تصرفات کا اختیار حاصل ہے، کہ وہ اپنا مال جس طرح چاہے حلال و جائز مواقع میں خرچ کرے اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی ابتداء ہی میں فرمایا ہے وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (الایہ) کہ متقین وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لائیں، نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے ان سے اللہ کی راہ پر خرچ کرتے ہیں۔ اس آیت کریمہ سے ”اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں انسان کی تصرفات کو نافذ العمل قرار دینا واضح طور پر معلوم ہوتا ہے، اس طرح ذخائر فقہ میں انسان کے اپنے مال میں تصرفات کو نافذ العمل قرار دینے اور اس کو جاری رکھنے کے جواز اور حلت پر واضح تصریحات موجود ہیں تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ جسم بھی انسان کو دیا ہے تو مال کی طرح اس کو اپنے جسم میں بھی تصرفات کرنے کی اجازت ہے، ہاں فرق اتنا ہے کہ اس شخص کو اپنے جسم میں تصرف کا اتنا اختیار حاصل ہے کہ یا تو اس تصرف سے دفع ضرر شدید مقصود ہو یا اس کو اس تصرف سے ضرر شدید نہ پہنچتا ہو اور اس کے اس تصرف سے دوسرے شدید ضرورت مند انسان کو فائدہ ملتا ہو اور اس کی زندگی بچ سکتی ہو ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی انسان کا کوئی عضو کینسر زدہ ہو جائے اور اس عضو کو باقی رکھنے سے دوسرے جسم کو نقصان کا قوی اندیشہ ہو تو اس نقصان سے بچنے کے لیے اس عضو کو کاٹ دیا جاتا ہے اور آج تک اہل علم نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی ہے اگرچہ اس عضو کے کاٹنے سے انسان کا ظاہر جسم مثلاً شہہ کیوں نظر نہ آنے لگے۔ جس کی نظیر آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بھی پیش آنی تھی کتب سیر میں مذکور ہے کہ

غزوہ بدر کے موقع پر حضرت معاذ بن عمروؓ نے ابو جہل پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا تو حضرت عکرمہؓ جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے نے باپ کو قتل ہوتے دیکھ کر حضرت معاذ بن عمروؓ پر حملہ کیا اور اس کی تلوار سے حضرت معاذ بن عمروؓ کا ہاتھ کٹ گیا مگر کچھ چڑا باقی رہا جس کی وجہ سے حضرت معاذ بن عمروؓ کا ہاتھ ٹکٹا رہا اور اس سے آپ کو جنگ کرنے میں دشواری پیش آتی تھی اس لیے انہوں نے اس ہاتھ کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھ کر کھینچا اور اپنے تن سے ہاتھ کو جدا کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں کوئی نکیر نہیں فرمائی الخ اور اسی طرح اگر کسی مریض کو خون کی ضرورت ہے اور اس کی زندگی دوسرے انسان کے خون دینے سے بچ سکتی ہو تو تمام فقہاء کرام نے اس کو جائز رکھا ہے اور آج تک اہل تحقیق نے اس کو ناجائز نہیں کہا ہے اور یہ بھی ایک قسم کا تصرف ہے، جو انسان کی من وجہ ملکیت کی دلیل ہے۔ تو گویا معلوم ہوا کہ انسان اگر چہ اپنے جسم کا مالک حقیقی تو نہیں لیکن اس کو جائز حد تک اپنے جسم میں تصرفات کی اجازت ضرور ہے۔

(۲) مانعین پیوند کاری کی دوسری دلیل کا جائزہ:

مانعین حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ انسانی اعضا کی اس پیوند کاری میں مثلے کا عنصر پایا جاتا ہے اور مثلہ شرعاً ممنوع ہے۔

جائزہ: یہ بات بھی درست ہے کہ مثلہ اسلام میں ممنوع ہے مگر فقہاء کرام نے ضرورت کے وقت اس قسم کے قطع برید کو بھی جائز قرار دیا ہے فقہاء کرام نے لکھا ہے حاملہ عورت کے پیٹ میں اگر بچہ زندہ ہو اور اس بچے کے زندہ رہنے کا بھی امکان ہو تو شرعاً یہ جائز ہے کہ اس کی ماں کا پیٹ چاک کر کے اس بچے کو نکالا جائے گا صرف یہ نہیں بلکہ ایک مالی نقصان کے لیے بھی فقہاء کرام نے مردہ شخص کے پیٹ کو چاک کرنے کی اجازت دی ہے کہ اس کے پیٹ میں موجود مال نکال کر مستحقین کے حوالے کیا جائے اسی طرح اگر کسی کے گردے میں پتھریاں ہو یا اس کے اندر یا باہر کا کوئی عضو بے کار ہو چکا ہو تو فقہاء نے اس اعضاء کو کاٹنے کی اجازت دی ہے۔ اس لیے ضرورت شدیدہ کے وقت انسانی جسم میں جو قطع برید کی جاتی ہے وہ مثلہ کے حکم سے مستثنیٰ ہے، مثلہ سے وہ قطع برید مراد ہے جو زمانہ جاہلیت میں لوگ جنگ کے دوران بلا ضرورت اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے کرتے تھے۔

(۳) تیسری دلیل کا جائزہ:

عدم جواز کے قائلین کی تیسری دلیل یہ ہے کہ انسان قابل احترام ہے اسکی اہانت کی شریعت مقدسہ نے کسی بھی صورت میں اجازت نہیں دی ہے جبکہ انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے اس عمل میں اس کی تکریم و تحريم پامال ہوتی ہے اور اس میں اس کی اہانت کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ اس لیے فقہاء کرام کے عبارات سے اس عمل کی بھی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

جائزہ: مگر اولاً سوچنا یہ ہے کہ کیا واقعی اس بیوند کاری سے انسان کی توہین و تحقیر ہوتی ہے یا نہیں اس سوال کے حل سے پہلے

(۱) یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ نصوص نے جس امر کو مبہم چھوڑا ہو اور اس بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہ کیا ہو تو اس کی توضیح انسانی عرف و عادات سے کی جائے گی۔ چنانچہ ڈاکٹر وحید الزخیل مختلف فقہاء کرام کے نقطہ نظر پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے: **قال الفقهاء ايضا كل ماورد به الشرع مطلقاً ولا ضابطه له فيه ولا في اللغة يرجع فيه الى العرف كالاحرز في السرقه (اصول الفقه الاسلامي جلد ۲ ص ۸۳۱)** فقہاء کرام نے یہ بھی کہا ہے کہ جو چیز شریعت میں مطلقاً وارد ہوئی ہے اور اس کیلئے شریعت میں کوئی ضابطہ ہے نہ لغت میں تو اکسیں عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا، جیسا کہ سرقہ میں حفاظت مال کا مصداق۔

(۲) اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عرف و عادات زمانے اور علاقے کیساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں چنانچہ کبھی ایسا معاملہ بھی آجاتا ہے کہ علاقے یا وقت کی تبدیلی کی وجہ سے اس معاملے کے دو حکم ہو جاتے ہیں کبھی ایک حکم کو درست اور صحیح مانا جاتا ہے تو کبھی دوسرا حکم۔ اس لیے علامہ شاہی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

والمبدلة منها ما يكون متبدلاً في العادة من حسن الى قبح وبالعكس مثل كشف الراس فانه يختلف بحسب البقاع في الواقع فهو الذي المروا قبيح في البلاد المشرقية وغير قبيح في البلاد المغربية فالحكم الشرعي يختلف باختلاف ذالك فيكون عند اهل المشرق قاذواً في العدالة وعند اهل المغرب غير قاذح (الموافقات جلد نمبر ۲ ص ۲۰۹، ۲۱۰) بعض چیزیں حسن سے قبیح کی طرف مبتدل ہوتی ہیں اور بعض اس کے برعکس جیسے سر کا کھلنا مشرقی ممالک میں قبیح ہے مگر مغربی ممالک میں قبیح نہیں ہے تو اس اختلاف (عرف و عادات) کی وجہ سے اس کا شرعی حکم بھی مختلف ہو جائے گا، چنانچہ اہل مشرق کے نزدیک سر کا کھلا رکھنا عدالت کے لیے نقصان دہ ہے اور اہل مغرب کے نزدیک نقصان دہ نہیں ہوگا۔ تو اہانت و اکرام کے متعلق نصوص میں کوئی ٹھوس اور بے شک حدود مقرر نہیں ہیں اور نہ لغت اس امر کا حکم ہے، اس لیے اہانت و اکرام کا یہ فیصلہ عرف اور عادات پر کیا جائے گا، چنانچہ زمانہ قدیم میں اس قسم کی قطع برید کو توہین میں شمار کیا جاتا تھا، ایسی ہی فقہاء کرام نے انسانی اجزاء سے انتفاع کو بیشک منع کیا مگر زمانہ حال کے مطابق انسانی اعضاء کی بیوند کاری میں توہین و تحقیر کا عنصر نہیں پایا جاتا بلکہ عطیہ دینے والے کو تو قیرو تعظیم کے نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ اس شخص نے ایثار و قربانی دیکر ایک مضطر انسان کی جان بچائی ہے، اسلئے بڑے بڑے قائدین اور زعماء اپنے اعضاء کے سلسلے میں اس قسم کی وصیت کر جاتے ہیں اور یہ چیز ان کیلئے نیک نامی کا باعث بنتی ہے اور عام معاشرے میں انسانیت نوازی کی دلیل سمجھی جاتی ہے اور یہ بات تمام اہل علم پر عیاں ہے کہ ”لا ینسکر تغیر الاحکام بتغیر الازمان یعنی ان الاحکام

التي تتغير بتغير الزمان هي الاحكام المستندة على العرف والعادة (در الاحكام ۱/ ص ۷۷) اس سے کسی کو انکار نہیں کہ زمانہ کے تغیرات سے احکام تبدیل ہو جاتے یعنی جو احکام زمانے کے تغیر سے تبدیل ہو جاتے ہیں اس سے مراد وہ احکام ہیں جو عرف و عادت پر مبنی ہوں تو چونکہ زمانہ قدیم میں اس قطع و برید کو قبیح اور برا سمجھا جاتا تھا اسلئے اس زمانہ میں فقہاء کرام نے اس عمل کو ناجائز کہا تھا۔ مگر زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے چونکہ اب ایسا کرنا تو بین نہیں رہا اسلئے اب اس کا یہ حکم نہیں ہے اسلئے حضرت مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے ایک استفتاء کے جواب میں لکھا ہے۔

الجواب: اجزاء انسانی کے استعمال کی جو صورت مستلزم اہانت ہو، وہ ناجائز ہے اور جسمیں اہانت نہ ہو تو بضرورت وہ استعمال ناجائز نہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک کو پانی میں دھو کر وہ پانی مریض پر چھڑکا یا پلایا جاتا تھا۔ (کفایت المفتی جلد نمبر ۹ ص ۱۴۳)

پس چونکہ موجودہ زمانے میں اجزاء انسانی کی پیوند کاری کے ایسے طریقے ایجاد ہو گئے ہیں جو مستلزم اہانت نہیں اور نہ عرف میں ان کو اہانت سمجھا جاتا ہے اس لیے اصولی طور پر تو بین کے قاعدے سے موجودہ پیوند کاری کو ناجائز قرار دینا محل نظر ہے۔

(۴) بعض فقہی جزئیات سے استدلال کا جائزہ:

عدم جواز کی اس رائے کو فقہ کے بعض جزئیات سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ مجبوری کے تحت انسانی عضو کا کاٹ کر کھانا منع ہے جو تفصیل باحوالہ گزشتہ صفحات میں ذکر ہے۔

جائزہ: لیکن اگر ان جزئیات پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ انسان کا اپنا یا کسی اور کا کوئی حصہ کاٹ کر کھالینا بسا اوقات اس کی ہلاکت یا ضرر شدیدہ کا باعث بنتا ہے۔ یہ اندیشہ قوی ہے۔ اس لیے علامہ ابن قدامہؒ اس منع کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: ولنا ان اكله من نفسه ربما قتله فيكون قاتلاً لنفسه ولا يتقين حصول البقاء باكله (المغنی لابن قدامة جلد ۹ / ۲۳۵) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ انسان کا اپنے جسم میں سے کسی حصے کو کھالینا بسا اوقات اس کی موت کا سبب ہوگا اس طرح وہ اپنا قاتل ہو جائے گا۔ جبکہ اس کے کھانے سے اس کا زندہ رہنا یقینی نہیں ہے۔ تو مذکورہ جزئیات کا تعلق اس پیوند کاری اور استعمال سے ہے جو اس کی ہلاکت یا اس کے لیے ضرر شدیدہ کا باعث بنے۔ البتہ پیوند کاری کی وہ صورت جس میں اس کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو اور محفوظ طریقے پر اس عمل کو انجام دیا جائے اور خود وہ شخص بھی ایسا کرنے پر رضامند ہو تو مذکورہ جزئیات اس صورت پر لاگو نہیں ہوتے۔

(۵) لعن الله الواصلة کا محل:

لعن الله الواصلة الخ عدم جواز کے قائلین اس روایت کو اعضاء انسانی سے انتفاع اور انکی پیوند کاری کے

عدم جواز کے لیے بنیادی طور پر پیش کرتے ہیں مگر

جائزہ: اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اس روایت میں اجزاء انسانی سے ایسے اشتقاق کو منع کیا گیا ہے جو انسان کے لیے ضرورت کا درجہ نہ رکھتا ہو بلکہ محض تزئین و آرائش کے جذبات کی تسکین اس سے مقصود ہو۔

(۶) کسر عظم المیت الخ کا محمل: دوسری روایت جو بنیادی طور پر عدم جواز کیلئے پیش کیا جاتا ہے کسر عظم المیت، ککسر عظم الحی (الحديث)

جائزہ: یہ روایات عام طور پر محمول ہیں کہ جب کوئی انسانی ضرورت اس سے متعلق نہ ہو لیکن جب ضرورت شدیدہ متعلق ہو جائے تو پھر یہ حکم نہیں رہے گا حضرات فقہاء کرام نے ہی ضرورت کے تحت اس نص کے تعیم کو چھوڑ دیا ہے، مثلاً ذخیرہ فقہ میں یہ مسئلہ درج ہے کہ جب کوئی عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ حرکت کر رہا ہو اور بغیر آپریشن یعنی قطع برید کے اس بچے کی جان نہ بچ سکتی ہو تو اس صورت میں فقہاء کرام نے اجازت دی ہے کہ اس مردہ عورت کا پیٹ چاک کر کے اس جنین کو نکالا جائے۔

اس عمل کے بارے میں علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے لان ذالک سبب فی احیاء نفس محترمة بترک تعظیم المیت (بحر الرائق جلد ۸ ص ۲۵) چونکہ ایسا کرنا ایک نفس محترمہ کی حیات کا سبب ہے اگرچہ اس میں تعظیم میت کا ترک لازم ہے تو بھی کوئی حرج نہیں، اور علامہ سمرقندی نے لکھا ہے: لو ان حاملات ماتت وفي بطنها ولد بضرب فان كان غلب الظن انه ولد حي وهو في مدة يعيش غالباً فانه يشق بطنها لان فيه احیاء الادمی بترک تعظیم اھون من مباشرة سبب الموت (تحفة الفقهاء جلد ۳ ص ۳۴۳)

اگر کوئی حاملہ مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو جو حرکت کرتا ہو اور غلبہ ظن ہو کہ وہ بچہ زندہ ہے اور اتنی مدت کا ہے، جس میں عام طور پر بچہ زندہ رہ جاتا ہے، تو اس حاملہ کے پیٹ کو چاک کیا جائیگا اسلئے کہ اس میں ایک انسان کی زندگی کو بخشا ہے اور کسی زندہ کو موت کا سبب بننے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے کہ آدمی کے تعظیم کے تقاضے کو چھوڑ دیا جائے، فقہاء احناف میں امام ابو جعفر طحاوی کے بارے میں یہ نقل ہے کہ آپ اس سیر کی وجہ سے دنیا میں تشریف لائے تھے۔

(۲) اس طرح فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کا موتی نگل لیا ہو اور اس کی موت واقع ہو گئی اس کا اتنا مال بھی باقی نہ ہو جس سے اس شخص کی موتی کی قیمت ادا کی جائے تو اس شخص کے مالی تحفظ کیلئے اس مردہ انسان کا پیٹ چیر کر اس شخص کا موتی نکالنا جائز ہے۔ اور اس کے علاوہ یہ روایت مشکم فیہ بھی ہے علامہ ابن حزم نے لکھا ہے: وهو ضعيف جداً لا يحتج به لاختلاف في ذالک (المحلی جلد ۱۱ ص ۴۰) یہ روایت بہت ضعیف ہے اس سے استدلال نہیں کیا جائے گا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

لہذا دونوں طرفین کے آراء اور ان کے دلائل کے پیش نظر من تا چیز کے کم فہم میں یہ بات آتی ہے کہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری درج ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہونی چاہیے۔

- (۱) مریض کی موت یا اس کی ناکارہ عضو کے ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہو۔
- (۲) ماہر طب اس بات پر متفق ہو کہ اس ناکارہ مریض کا علاج انسانی عضو کے پیوندکاری کے بغیر ممکن نہ ہو۔
- (۳) اور اس پر ان کا غالب گمان ہو کہ اس پیوندکاری سے مریض شفا یاب ہو جائے گا۔
- (۴) جو زندہ شخص کوئی عضو دے رہا ہو، اس کے بارے میں بھی ماہرین متفق ہوں کہ اس عضو کے نکالنے سے اس کی صحت پر شدید برا اثر نہیں پڑے گا۔

(۵) اس کے ساتھ زندہ شخص بہ طیب خاطر بلا کسی جبر و اکراہ کے بغیر کسی دنیاوی لالچ کے کھنڈ انسانی ہمدردی کی خاطر اپنا عضو عطیہ میں دے، اس لیے کہ انسان کا اپنا کوئی عضو فروخت کرنا بالاتفاق حرام ہے۔

(۶) اور جس شخص نے وصیت کی ہو، اس کا عضو اس وقت نکالا جائیگا جب اس کی موت یقینی ہو، اور اس وقت اس عضو کو کسی مریض کی اشد ضرورت ہو، ورنہ بلا ضرورت کسی شخص کا عضو نکال کر بینک میں رکھنا، کہ جب ضرورت پیش آئیگی تو اس کی پیوندکاری کریں گے درست نہیں، اس لیے کہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری کا جواز ضرورت شدیدہ کے تحت سامنے آیا ہے، اور ضرورت کے بارے میں فقہاء کرام کا یہ قاعدہ ہے ”ما ابيح للضرورة يتقدر بقدرها (دررالحکام ۳۸/۱) لہذا جب تک ضرورت پیش نہیں آئی ہے، اس وقت تک اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

(۷) اور ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مردہ شخص کا عضو نکالنے کے لئے درمیان رضامیت ہوں۔

سوال: کیا مریض کو زندگی ملنے کی خوشی میں اپنے محسن کو انعام کی رقم تحفہ یا حد یہ اپنی خوشی سے ادا کر سکتا ہے؟

جواب: گزشتہ تفصیل میں صاف طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ رشتہ دار اور غیر رشتہ دار کا بوقت ضرورت اپنا کوئی ایسا عضو بطور عطیہ دینا جس سے مریض کو فائدہ کا ظن غالب ہو اور ساتھ اس زندہ انسان کی کوئی شدید نقصان بھی نہ ہو جائز اور مخصص ہے مگر اس کو ایک تجارتی مال سمجھ کر فروخت کرنا جائز نہیں اس لیے کہ بدن انسان مال نہیں جبکہ صحت ہی کے لیے مریعہ کامل ہونا ضروری ہے۔ قال العلامة القرضاوی: ان القول بجواز التبرع بالاعضاء لا يقتضى القول بجواز بيعها لان البيع كما عرّفه الفقهاء مبادلة المال بالمال بالتراضي وبدن الانسان ليس بمال (الفتاوى المعاصرة ج ۲، ص ۵۸۸)

بیشک اعضاء انسانی کی تبرع کا جواز اس کی خرید و فروخت کو جائز نہیں کرتا اس لیے کہ بیع کی تعریف فقہاء کرام کے ہاں دونوں فریقین کی رضامندی سے مال کو مال کے بدلے تبدیل کرنا ہے اور بدن انسانی مال نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص

کسی مریض کے ساتھ ایسی عظیم نیکی کرے تو بغیر کسی طے شدہ معاوضہ کے اس مریض کا بعد از صحت یا بی اپنے محسن کو کچھ رقم دینے اور محسن کا اس رقم کو لینے میں کوئی حرج نہیں۔

اسی لیے علامہ قرضاوی فرماتے ہیں: ولكن لو بذل المتفجع بالتبرع للشخص المتبرع مبلغا من المال غير مشروط ولا مسمى من قبل على سبيل الهبة والهدية والمساعدة فهو جائز بل هو محمود من مكارم الاخلاق (فتاویٰ معاصرہ ۵۸۸/۲)

لیکن جس مریض کو کسی انسان کا کوئی عضو پیوند کیا گیا ہو اور وہ شخص اپنے محسن کو بغیر کسی شرط کے کچھ مال جو پہلے سے متعین نہ کیا گیا ہو بطور مہبہ، ہدیہ یا امداد دے دے تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ محمود اور مکارم اخلاق میں سے ہے۔ شریعت مقدسہ میں اس کی نظیر موجود ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی کسی کو قرض رقم دے دے اور واپسی پر اضافہ کی شرط نہ لگائے اور قرض لینے والا جب قرض واپس کرتے وقت اصل رقم مع کچھ اضافہ کے ساتھ واپس کرے تو یہ اضافہ سود میں نہیں آتا دینے والے کے لیے بھی جائز ہے اور لینے والے کیلئے بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود ایسا ہی کیا تھا۔

سوال: کیا کوئی شخص بعد از مرگ پیوند کاری کے لیے اعضاء حاصل کرنے کی وصیت کر سکتا ہے؟

سوال: اور کیا بعد از مرگ پیوند کاری کے لیے اس کے اعضاء حاصل کیے جاسکتے ہیں؟

جواب: گزشتہ تفصیل میں ذکر ہو چکا ہے کہ محققین علماء امت کے ہاں ضرورت کے تحت ایک انسان کی شدید مرض میں جتنا شخص کیلئے اپنا کوئی عضو تبرعاً دے سکتا ہے تاکہ اسکی زندگی بچ جائے یا وہ آرام و راحت کی زندگی بسر کرے۔ زندگی میں اپنا عضو دینا محمل ضرر بھی ہے مگر موت کے بعد عضو دینے میں صرف فائدہ ہی ہے کوئی ضرر نہیں۔ تو اس طرح کوئی شخص اپنی زندگی میں کسی مریض کو اپنا عطیہ دینے کی وصیت کر سکتا ہے اور بعد از مرگ کسی کا عضو اس وقت نکالا جاسکے گا جب مردہ نے اپنی زندگی میں اس عضو کی وصیت کی ہو اور اسکے علاوہ اس شخص کے ورثاء بھی اس پر راضی ہوں ورنہ دونوں شرائط میں سے کسی ایک شرط کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس مردے کا عضو نکالنا جائز نہیں۔

سوال: کیا اعضاء کی پیوند کاری کیلئے مذہب، قومیت وغیرہ کی پابندی لگائی جاسکتی ہے؟

جواب: جیسا کہ گزشتہ صفحات میں معلوم ہوا کہ انسانی اعضاء کی پیوند کاری دوسرے ضرورت مند انسان میں بدرجہ مجبوری جائز ہے تو جو بی طور پر اس میں مذہب، قومیت وغیرہ کی کوئی پابندی نہیں اسی لیے کہ انسانی اعضاء کفر اور اسلام کے اوصاف کیساتھ متصف نہیں ہوتے انکی حیثیت محض آلات کی ہے جس سے انسان زندگی میں اپنے لیے خدمت لیتا ہے لہذا اگر کسی کافر کا عضو کسی مسلمان کو منتقل ہو جائے تو وہ اسی کا عضو بن جاتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک مسلمان کسی کافر سے اسلحہ لے لے تو وہ مسلمان اس اسلحہ کے ساتھ جہاد کر سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اعضاء چاہے مسلمان کے ہوں یا کافر کے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور یہی قرآنی آیت ”وان من شئی سبوح بحمده“ ولكن

لا تفسقہون تسبیحہم“ (الایۃ) کہ ہر شی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو، تو جب تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کی شامح اور تسبیح بیان کرتے ہیں تو چاہے وہ کافر کے ہوں یا مسلمان کے ان میں کوئی فرق نہیں۔ ہمارے قدیم فقہاء کرام نے ایک کافر عورت کا دودھ ایک مسلمان بچے کیلئے حلال کیا ہے علامہ سرخسیؒ کہتے ہیں:

ولا باس بان يستاجر المسلم الظنر الكافرة والنثى قد ولدت من الفجور لان خبت الكفر اعتقادها دون لبنها والانباء عليهم السلام والرسول صلوات الله عليهم فيهم من ارضع بلبن الكوافر كذا الك فجورها لا يؤثر في لبنها (المبسوط للسرخسى ۱۰ / ۱۲۷)

اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک مسلمان کسی کافر عورت کو اپنے بچے کے لیے مرضعہ کے طور پر اجرت پر رکھے یا کسی فاجرہ عورت کو، اسلئے کہ کفر کی خباثت اسکے اعتقاد میں ہوتی ہے اس کے دودھ میں نہیں، اسلئے ایک طویل بحث کے بعد بہت سے انبیاء کرام اور پیغمبروں نے کافر عورتوں کا دودھ پیا ہے۔ اسی طرح فاجرہ کے فق و فجور کا اثر بھی اس کے دودھ میں نہیں ہے۔ اس لیے علامہ یوسف قرضاوی نے لکھا ہے لہذا لا یوجد حرج شرعی من انتفاع المسلم بعضو من جسد غیر المسلم“ (فتاویٰ معاصر ۲۰ / ۵۹۳) اسلئے کسی مسلمان کا غیر مسلم کے عضو سے انتفاع میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ تاہم بہتر یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص کے بدن میں کسی دوسرے مسلمان کی عضو کی پیوند کاری کی جائے اسلئے بعض فقہاء کرام کافرہ کے دودھ کو ارضاع کیلئے مکروہ کہا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن الرشد قرطبیؒ نے لکھا ہے: وتکرہ ظنورۃ مثل الیہودیات والنصرانیات لما یخشی من ان تطعمہم الحرام وتستقیہم الخمر وقال ابن حبیب عن مالک فاذا امن ذالک فلا باس بہ (مقدمات لابن رشد ۲ / ۷۱)

کہ یہودی اور نصرانی عورت کا دودھ مکروہ ہے اسلئے کہ اسمیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ ان مسلمان بچوں کو حرام غذا کھلائیں گی یا شراب پلائیں گی ابن حبیب نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ جب اس بات کا اندیشہ نہ ہو تو پھر اسمیں کوئی حرج نہیں۔ اسلئے اعضاء کی اس پیوند کاری میں مذہب، قومیت وغیرہ کی کوئی پابندی نہیں اگرچہ بہتر یہ ہے کہ ایک مسلمان میں دوسرے مسلمان کا عضو پیوند کیا جائے لیکن ضرورت کے تحت اس تمیز کی بھی ضرورت نہیں۔

هذا ماظهر لى والله اعلم بالصواب

(مولانا مفتی) مختار اللہ حقانی

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ ٹنک (۷/ مئی ۲۰۰۸ء)